جلد ۴۷ | مورخہ ۲۸ جنوری / ۷ فروری ۱۹۴۳ء مطابق ۲۸ صلح / ۷ تبلیغ ۱۳۲۲ ہش | نمبر ۳ و ۴

میری کتاب مرکزِ احمدیت — قادیان

حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی نگاہ میں

(۱)

حضور نے سلسلہ عالیہ احمدیہ کے سالانہ جلسہ میں ہزارہا کے مجمع میں ۲۷ دسمبر ۱۹۴۲ء کو فرمایا:-

"میں تقریر شروع کرنے سے پہلے بعض کتب کے متعلق بھی اعلان کرنا چاہتا ہوں۔ ایک کتاب "مرکزِ احمدیت" شیخ محمود احمد صاحب عرفانی نے لکھی ہے۔ میں ابھی اسے پڑھ نہیں سکا۔ صرف ایک سرسری نظر ہی سے اس کے مضامین پر ڈالی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں۔ کہ اسمیں بہت سے مفید معلومات قادیان اور سلسلہ کے متعلق جمع کر دیئے گئے ہیں۔ قیمت بھی میں نے اسکی نہیں دیکھی۔ اس تنگی کے زمانہ میں انہوں نے اچھے موٹے کاغذ پر خوشخط کتاب چھپوائی ہے۔ جو دوست باہر کی دنیا کو قادیان اور سلسلہ کے حالات سے روشناس کرانا چاہیں۔ اور ان کی یہ خواہش بھی ہو۔ کہ لمبے مضامین نہ ہوں۔ بلکہ ایک مختصر کتاب میں جماعت کے کام اور مرکز کی خصوصیات کا ذکر ہو تاکہ اسے خرید کر لوگوں کو اس کے مطالعہ کی تحریک کی جائے۔ تو ایسے دوستوں کے لئے یہ کتاب بہت مفید ثابت ہو سکتی ہے۔"

(تقریر حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ۔ الفضل ۲۰ جنوری ۱۹۴۳ء)

حضرت بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی کے تاثرات

(۲)

حضرت بھائی صاحب ایک عرصہ سے مختلف قسم کے عوارض کا شکار رہتے ہیں۔ ان ایام میں آپ پر پیچش کا حملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو ہر قسم کی تکالیف سے محفوظ و مصئون رکھے۔ اس بیماری کی حالت میں انہوں نے میرے نام حسب ذیل محبت نامہ لکھا۔ جس کا نصف آخر عربی میں ہے۔ بھائی جی کے اس مکتوب سے ان کے اس شغف کا بھی پتہ چلتا ہے۔ جو ان کو زبان عربی سے ہے۔ بہر حال بھائی جی تحریر فرماتے ہیں:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

عزیز و مکرم شیخ محمود احمد صاحب عرفانی کان اللہ معکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ "مرکزِ احمدیت قادیان" میں نے پڑھی۔ اور بہایت محبت۔ شوق اور گہری نظر سے پڑھی۔ اسے بیحد موثر اور مفید معلومات کا خزانہ پایا۔ وہ اتنی دلچسپ اور دلکش ہے کہ ختم کئے بغیر چھوڑنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ آپ کی یہ کتاب جہاں احمدیت اور سلسلہ کی بینظیر خدمت ہے۔ وہاں غیروں کے لئے سلسلہ کے جستہ جستہ حالات معلوم کرنے کیلئے ایک حقیقی اور موثر تبلیغ اور بے خطا روحانی تیر کا حکم رکھتی ہے جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء فی الدنیا والاٰخرہ۔

جزیت الخیر ووقیت الضیر یا حبی۔ لقد احسنت فاحسن اللہ علیک وتقبل اللہ منک وجعل سعیک سعیًا مشکورًا وعملًا مقبولًا واعطاک اجرًا جزیلًا وعمرًا طویلًا لتخدم الخلق وتکون امرک عند اللہ وعند الناس جمیلًا واعطاک اللہ الدار الاٰخرۃ وتکون دنیاک ایضًا بالجنۃ مثیلًا۔ اٰمین ثم اٰمین۔

عبد الرحمان قادیانی ۲۷/۱/۴۳

حضرت حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی کے تاثرات

(۳)

حضرت حافظ صاحب کی اس وقت ۸۵ سال کی عمر ہے۔ اور عرصہ دراز سے فالج سے بیمار ہیں۔ انہوں نے میری کتاب کو پڑھا۔ جس دن انہوں نے اس کتاب کو ختم کیا۔ اسی دن ان کو یہ المناک خبر آئی۔ کہ ان کا بھتیجا "محمد یوسف" جو نوجوان اور نیک اور صالح شخص تھا۔ عین عنفوانِ شباب میں جلسہ پر سے جانے کے بعد فوت ہو گیا۔ باوجود اس شدید صدمہ کے حافظ صاحب میری کتاب کے متعلق اپنے تاثرات کو دبا نہ سکے۔ سخت سردی پڑ رہی تھی۔ چار بجے کے قریب وہ دو دوستوں کی مدد سے لکڑی کی صندوق نما گاڑی میں بیٹھ کر وہ میرے پاس آئے۔ اور فرمایا کہ "آپ کی کتاب اتنی دلچسپ۔ لطیف اور موثر ہے۔ کہ جب میں نے اسے پڑھنا شروع کیا۔ تو مجھے اس قدر لذت محسوس ہوئی۔ کہ میں نے گھر میں کہہ دیا۔ کہ جب تک میں اس کتاب کو پڑھ نہ لوں۔ میرے پاس کوئی نہ آئے۔ فرمایا بڑی عجیب کتاب ہے۔ سارا جہان اس میں اکٹھا کر دیا۔ معلوم نہیں اس قدر لوگوں کے نام آپ کے ذہن میں کیسے رہ گئے۔ میں نے آپ کے لئے دعا کی ہے۔ کہ خدایا تو اس شخص کو قیامت تک کے لئے محمود بنا دے۔ آمین۔ یہ ایسی کتاب ہے۔ کہ اگر کوئی بدبخت انسان نہ ہو تو وہ اسے پڑھ کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میں باوجود شدید صدمہ کے

شذرات

لنڈن کی مساجد کا ذکر لنڈن ریڈیو پر

۱۸ر جنوری ۱۹۴۳ء کو مولانا جلال الدین صاحب شمس مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ نے ایک تقریر

لنڈن کی مساجد

کے عنوان سے فرمائی۔ جو حسب ذیل ہے:۔

آپ نے اپنی تقریر میں لنڈن کی بعض اور مساجد کا ذکر کرنے کے بعد مسجد احمدیہ لنڈن کا جس کا نام مسجد فضل ہے بالتفصیل ذکر کیا اور بتایا کہ مسجد جو لنڈن کے جنوب مغربی حصہ میں واقع ہے۔ اس کے متعلق ۶ر جنوری ۱۹۲۰ء کو امام جماعت احمدیہ حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے قادیان سے تحریک فرمائی۔ اور لوگوں سے چندہ کی اپیل کی۔ جس پر صرف ایک ہفتہ میں تیس ہزار روپیہ اور چند مہینوں میں ۹۵ ہزار روپیہ جمع ہو گیا۔ اگست ۲۰ء میں اس کے لئے ایک قطعہ زمین خرید لیا گیا۔ ۲۳ء میں خیال کیا گیا۔ کہ برلن میں بھی مسجد احمدیہ ہونی چاہیئے۔ چنانچہ اس کے متعلق حضرت امام جماعت احمدیہ نے خواتین کو تحریک فرمائی۔ اور انہوں نے ایک قلیل عرصہ میں ستر ہزار روپیہ جمع کر دیا۔ بعد میں بعض وجوہ سے برلن میں مسجد بنانے کا ارادہ ملتوی کر دیا گیا۔ اور یہ روپیہ بھی مسجد لنڈن کی تعمیر پر خرچ ہوا۔ ۱۹۲۴ء میں مذہبی کانفرنس میں شامل ہونے کے لئے حضرت امام جماعت احمدیہ لنڈن تشریف لائے۔ اور آپ نے ۱۹ر اکتوبر ۱۹۲۴ء کو اس کا سنگ بنیاد رکھا۔ ستمبر ۱۹۲۶ء میں یہ مسجد پایہ تکمیل کو پہنچی۔ اور ۳ر اکتوبر ۲۶ء کو سر عبد القادر نے اس کا افتتاح کیا۔ حضرت امام جماعت احمدیہ نے مسجد کا سنگِ بنیاد رکھنے کے موقعہ پر اعلان فرمایا۔ کہ اسلام نے مسجد کا نام بیت اللہ رکھا ہے۔ یعنی وہ ایک گھر ہے۔ جس میں انسان کا حق نہیں کہ وہ آپس کے اختلاف کی وجہ سے اس سے کسی کو نکال سکے۔ یا کسی کو تکلیف دے سکے۔ کیونکہ یہ اس کا گھر نہیں۔ بلکہ خدا کا گھر ہے۔ جو اسی طرح اس کے دشمن کا خدا ہے۔ جس طرح اس کا۔

تقریر کے اخیر میں آپ نے فرمایا۔ کہ جو انگریز مسلمان ہوتے ہیں۔ ان کو عربی زبان میں نماز یاد کرائی جاتی ہے۔ بڑی عمر کے نومسلموں کے لئے تو یہ بات مشکل ہوتی ہے۔ مگر نوجوان آسانی سے عربی میں نماز یاد کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے ایک نومسلم بھائی منیر احمد سٹنی کو پیش کیا۔ جنہوں نے خوش الحانی سے سورہ فاتحہ پڑھ کر سنائی اور پھر لنڈن ریڈیو سے اذان کہی۔

ہزارہا لوگوں نے مولانا شمس کی تقریر کو سنا ہوگا۔ اور اس کے بعد ایک انگریز نومسلم کے منہ سے سورہ فاتحہ اور اذان سنی ہوگی۔ اور ہر شخص کے قلب کے اسوقت جداگانہ اثرات ہوں گے۔ مگر اخبار نویس کی دنیا بالکل الگ ہوتی ہے۔ وہ کسی اور حس سے دیکھتا ہے۔ اور کسی اور حس سے سنتا ہے۔ اسکی آنکھ بالکل باریک سے باریک نقائص کو دیکھ لیتی ہے۔ اور خفیف سے خفیف خوبصورتی کو محسوس کر لیتی۔ اسلئے میرا بھی اس واقعہ سے متاثر ہونا ضروری اور یقینی تھا۔ میں ایک نئی دنیا میں چلا گیا۔ جو اس دنیا سے بالکل الگ اور نرالی دنیا تھی۔ میں پہلے اس لنڈن کا تصور کرنے لگا۔ جس لنڈن میں اذان دینا کوئی مہذب فعل نہیں سمجھا جا سکتا تھا۔ کیونکہ چند سال قبل کے لنڈن میں بلند آواز سے بولنا اخلاقی کمزوری۔ ہمسایوں کے آرام میں خلل انداز ہونے کا مترادف تھا۔ اذان کا تصور عیسائی لنڈن میں کوئی کر بھی نہیں سکتا تھا۔ آج سے ربع صدی قبل جب احمدیت کے مبلغ لنڈن میں گئے۔ تو لنڈن کے سکون کی حالت ایک بڑے وسیع سمندر کے سکون کی سی تھی۔ یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کہ لنڈن کے اس بحرِ ذخار کو کوئی ہلا سکے گا۔ ایک آدمی۔ کس مپرس۔ بے وطن۔ بے یار و مددگار جس کو آسانی سے مکان بھی میسر نہ آ سکتا تھا۔ کیونکہ اسکی اغراض لنڈن کے اغراض سے ٹکراتی تھیں۔ وہاں پھرتا ہوا نظر آتا تھا کون کہہ سکتا تھا۔ کہ ایک دن یہ تحریک جو آج ایک آدمی کے ذریعہ سے شروع کی گئی ہے۔ وہ اتنی زبردست تحریک ہو جائے گی۔ کہ لنڈن کی ساری طاقت مل کر بھی اسے دبا نہ سکی۔ چنانچہ لنڈن میں احمدیہ مسجد بنی۔ لنڈن میں احمدیہ مشنریوں نے مسیحیت کے مرکز میں اپنا کام شروع کیا۔ اور ابھی ربع صدی نہیں گزری۔ کہ مادیت۔ کفر و الحاد اور مسیحیت کے مرکز سے آج قرآن کریم کے پڑھے جانے اور اذان کی آواز ایسی بلند ہوئی۔ کہ دنیا کے کونے کونے میں سنی گئی۔

گذشتہ حالت سے آج کا موازنہ کر کے میں نے اسلام کے اس شاندار مستقبل کا اندازہ لگایا۔ اور بالکل اسی طرح اندازہ لگایا۔ جس طرح موسم بہار میں سوکھے درخت کے خشک ٹہنیوں پر چمکتی ہوئی ہریاوٹ۔ ایک انسانی آنکھ کو ایسی کل کا تصور پیدا کر دیتی ہے۔ جس میں اسی درخت میں سے پھول پتے۔ اور پھل نکلنے والے ہوتے ہیں۔ یا موسم برسات کے آغاز میں پہلی بوند اس طوفانی نظارے کا تصور پیدا کرا دیتی ہے۔ جو بعد میں برسات کے پانیوں سے پیدا ہو جاتا ہے۔

بالکل

اسی طرح مجھے اسلام کی اس شاندار ترقی کا تصور نظر آیا۔ جس کی خبر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہم کو دی اور آج اسی یورپ کی لمبی روحانی موت کے بعد ہم زندگی کے آثار دیکھ رہے ہیں۔ اور لنڈن کے ریڈیو پر لنڈن کی مساجد کا ذکر اور قرآن شریف کی تلاوت اور اذان اور وہ بھی ایک انگریز نومسلم کے منہ سے۔ یہ اس نور کی پہلی کرن ہے۔ جس کا سورج جلد اس سرزمین پر چڑھنے والا ہے۔

ہز ہائینس نواب صاحب بھوپال کا گورمکھی ترجمۃ القرآن کے لئے پانچہزار کا عطیہ

اشاعت اسلام کرنے والے تمام حلقوں میں یہ خبر نہایت مسرت سے پڑھی جائے گی۔ کہ ہز ہائینس نواب صاحب بھوپال جو بہت بڑے مخیر۔ علم پرور اور قومی اور مذہبی کاموں کے سرپرست ہیں۔ نے جناب سردار محمد یوسف صاحب ایڈیٹر اخبار نور قادیان کے گورمکھی ترجمہ کے جدید ایڈیشن کے لئے مبلغ پانچہزار روپیہ کی منظوری عطا فرمائی ہے۔ ہز ہائینس کا یہ عطیہ جو خدمت قرآن کی نیت سے انہوں نے دیا ہے۔ تمام مسلمانوں کی نگاہ میں قدر اور استحسان کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

ہم سردار صاحب موصوف کو ان کی کامیابی پر مبارکباد دیتے ہیں۔ اس لئے کہ اب ان کو اپنے کام کو اور زیادہ وسعت دینے کا موقع مل سکے گا۔

ہم نے یوسف ثانی کا زمانہ دیکھا

اس جنگ میں دنیا کو جس قسم کی قحط کی حالت کا نظارہ کرنا پڑا ہے۔ وہ شاید اس سے پہلے کبھی نہیں کرنا پڑا۔ کم از کم ہم نے تو اپنی ہوش کے زمانہ میں ایسا نظارہ نہیں دیکھا۔ جبکہ لوگوں نے گندم کی بجائے چاول کی بھوسی۔ لکڑی کا برادہ۔ گھاس پات اور معلوم نہیں کیا کیا چیزیں کھائیں۔ پندرہ پندرہ سال سے زمین کے نیچے دبی ہوئی گندم نکلی۔ جس کے اندر کسی قسم کی قوت حیات باقی نہ تھی۔ اور وہ انسان کے جسم کے لئے کوئی بھی قوت پیدا نہ کر سکتی تھی۔ مگر لوگوں نے وہ بھی کھائی۔ گندم اور آٹا کسی قیمت پر میسر نہ آتا تھا اور ہر طرف سے ہائے گندم۔ ہائے آٹا کی صدائیں اٹھ رہی تھیں۔ اس حالت کا حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے قبل از وقت اندازہ لگایا۔ اور اپنی قوم کو آنے والے قحط اور خطرے سے آگاہ کیا۔ اور لوگوں کو گندم ذخیرہ کرنے کے لئے ہدایت کی اور اسی پر بس نہیں۔ اپنی جماعت کے زمینداروں کو ہدایت کی کہ وہ اپنی ضرورت سے زائد گندم محفوظ رکھیں۔ تاکہ بوقت ضرورت قومی ضرورت کے کام آ سکے۔

یہ انتظام تو ان لوگوں کے لئے فرمایا۔ جو گندم خرید سکتے تھے۔ اور جو بھائی اس قسم کا سٹاک کرنے کی وسعت نہیں رکھتے تھے۔ ان کے لئے سینکڑوں نہیں ہزارہا من گندم مہیا کی۔ اور ان میں تقسیم کر دی۔ تاکہ وہ بھی قحط کی شدت کے وقت اس گندم سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اس تقسیم کا یہ فائدہ ہوا۔ کہ میں نے خود بعض خاندانوں کے افراد سے سنا۔ کہ اگر ہم کو یہ مدد نہ پہنچتی تو ہم یقیناً اس قحط میں ہلاک ہو جاتے۔ اسی پر اکتفا نہ کرتے ہوئے

(بقیہ ملاحظہ ہو صفحہ ... کالم ...)

نامکمل مسودات

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا علم کلام

عقل اور مذہب

حضرت عرفانی کبیر نے ۱۴ اپریل ۱۹۱۶ء کو ایک سلسلہ مضامین لکھنا شروع کیا جسکی غرض یہ تھی کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علم کلام پر ایک مبسوط رسالہ لکھ سکیں۔ حضرت قبلہ کا عالم تحریر میں یہ معمول رہا ہے۔ کہ وہ کسی کتاب کو خواہ وہ کتنی ہی علمی کیوں نہ ہو۔ ساری کی ساری ایک ہی مرتبہ تصنیف نہیں کرتے۔ عام مصنفین کا معمول یہ ہے۔ کہ پہلے مسودہ لکھا۔ پھر اسکی دو تین مرتبہ نظر ثانی اور ثالث کی۔ اور پھر اس ثبت و حذف کے بعد جو بچ رہا۔ اسکو تبیض کے درجہ تک پہنچایا۔ اور پھر دوست احباب اہل علم سے رائے لی۔ اور پھر کاپی لکھتے اور پروف پڑھنے کے وقت تک اس میں کمی بیشی کرتے رہے۔ مگر میں نے بچپن سے اب تک دیکھا ہے کہ آپ ایک شاہ سوار کی طرح قلم کے میدان میں اپنے خیالات کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اور کبھی کسی جگہ بھی اپنے مضمون میں کانٹ چھانٹ نہیں کرتے۔ لکھنے کے بعد مسودہ پر نظر ثانی تو ایک طرف رہی۔ اسکو دوبارہ پڑھتے بھی نہیں۔ مضمون اٹھایا۔ اور کاتب کے حوالے کر دیا۔ دوسری دفعہ جب آگے لکھنا ہوا۔ تو پچھلی ایک دو سطریں پڑھیں اور مضمون کا اگلا حصہ لکھ ڈالا۔ انکی قلم سے اہم سے اہم لکھا ہوا مضمون اسی طرح عالم وجود میں آیا۔

اس طرح لکھنے کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ جب ایک مضمون کسی وجہ سے نظر سے اوجھل ہوا۔ تو پھر برسوں سامنے نہ آسکا۔ ذیل کا قیمتی مضمون جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت کا ایک حصہ ہے۔ بھی اسی طرح نظر سے اوجھل ہو گیا۔ اور گذشتہ دو سال میں اسکی تلاش بھی کی گئی۔ مگر دستیاب نہ ہو سکا۔ آج اتفاق سے میں کسی اور کاغذ کی تلاش کرتا تھا۔ کہ یہ مضمون بار بار میرے سامنے آیا۔ جب میں نے اسے اٹھا کر دیکھا۔ تو متاع گم شدہ تھی۔ مجھے خوشی ہوئی۔ اگرچہ یہ مضمون نامکمل ہے مگر قیمتی ہے۔ کیا تعجب کہ حضرت قبلہ کو ملاحظہ فرمانے کے بعد سویا ہوا شوق پھر پیدا ہوتا نظر آئے۔ اور یہ مضمون پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے۔ (محمود احمد عرفانی)

مذہب کی ضرورت اسکی صداقت اور افضلیت کی بحث میں جو مرحلہ سب سے پہلے پیش آتا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ مذہب کی صحت کا مدار عقل کو قرار دیا جاوے۔ کہ تقلید متکلمین نے اس ضرورت اور مبحث پر بہت کچھ لکھا۔ اور پیش آنے والی ضرورتیں آئندہ خدا جانے کیا کچھ لکھوائیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس اصل یا معیار پر جس رنگ میں بحث کی ہے۔ وہ بجائے خود اپنے اندر تجدید اور تکمیل کا رنگ رکھتی ہے۔ جیسا کہ میں شرح و بسط سے اسکو بیان کروں گا۔ اور انشاء اللہ العزیز دکھاؤں گا۔ کہ جس طرح پر عام فہم اور ذہن نشین ہو جانے والے طریق پر آپ نے اس کو سمجھایا ہے۔ کسی دوسرے کو یہ موقع نہیں ملا۔

اس زمانہ سے بیشتر عام طور پر یہ کہا جاتا تھا کہ مذہب میں عقل کو دخل نہیں۔ اور گو یا یہی درجہ مذاہب نے عقل کو دیا تھا۔ لیکن اس سائنس اور علوم کے زمانہ میں یہی نہیں کہ یہ آواز کمزور ہو گئی بلکہ مذہب کی صحت کا مدار عقل قرار دیا گیا۔ جس جس قدر فلسفہ اور سائنس ترقی کرتا جاتا ہے۔ اسی قدر اس اصل اور معیار کے حامی زیادہ پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ مذاہب جو اس اصل کو محکم پکڑے ہوئے تھے۔ جیسے ہندو اور عیسائی۔ انہوں نے بھی عقلی تحقیقات اور تجدید کو اپنے مذہب میں داخل کر لیا۔ ہندوؤں کا آریہ فرقہ یا برہمو لوگ عقل ہی کو مذہب کی صحت کا مدار قرار دیتے ہیں۔

اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ جن لوگوں نے کہا۔ کہ مذہب میں عقل کو کوئی دخل نہیں۔ انہوں نے تمام انسانی قویٰ کی بلند پروازیوں کو خاک میں ملا دیا۔ اور فطری قویٰ کو کچل ڈالا۔ کیونکہ اس ایک عقیدہ سے مذہب کے اندر ہر قسم کی تحقیقات اور اجتہادات کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ اور بڑے بڑے مدبر۔ دانشمند۔ فلاسفر منطقی اور عالمانِ علوم متفرقہ لغو سے لغو عقیدہ کی نسبت بھی شک پیدا نہیں کر سکتے۔ اگر مذہب کی صیانت محض عقیدہ کے رنگ میں مطلوب ہو۔ تو یہ طریق نہایت مفید اور مؤثر ہے۔

یہاں تک کہ اس زمانہ کے عقلمند اور فلاسفر جو نت نئی ایجادات کر سکتے ہیں۔ اور زمین کی اندرونی تہوں اور آسمان کے طبقات پر مبسوط تالیفات شائع کر سکتے ہیں۔ لیکن مذہب میں عقل کو دخل نہ قرار دینے کی وجہ سے وہ تین ایک اور ایک تین کا عقیدہ رکھنے میں کچھ حرج نہیں پاتے۔ مجھکو یہاں یہ بیان نہیں کرنا کہ ان کو فی الواقع کوئی تسکین اور اطمینان ہوتا ہے۔ یا نہیں۔ یا مذہبی عقائد ان کے محض ایک قومی مذہب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بلکہ مجھکو تو عام طور پر یہ بتانا ہے۔ کہ جب سے یہ عقیدہ تراشی لیا گیا۔ کہ مذہب میں عقل کو دخل نہیں۔ اس وقت سے باطل عقائد کی حفاظت کی صورت نکل آئی۔ لیکن علوم کی ترقی کے ساتھ عقل کی پوزیشن مذہب میں کیا ہے؟ ایک ضروری سوال بن گیا۔

جہاں تک مذاہب کی تاریخ پر میری نظر ہے۔ یا مذاہب کے علم کلام کی تاریخ مطالعہ میں آسکی ہے۔ اس سوال پر اس سے پہلے روشنی نہیں ڈالی گئی۔ اور نہ عقل کی پوزیشن کو واضح کیا گیا۔ بلکہ دو قسم کے لوگ پیدا ہو گئے۔ ایک وہ جو کہتے تھے۔ کہ عقل کو مذہب میں دخل نہیں۔ دوسرے وہ جنہوں نے لکھ دیا۔ کہ مذہب کی صحت کا مدار عقل پر ہے۔ حالانکہ یہ دونوں بحثیں لغو اور بے اثر تھیں۔ کیونکہ نہ تو حقیقی اور کامل مذہب ایسا کمزور اور بے حقیقت ہو سکتا ہے۔ کہ عقل اس کے اصولوں پر جرح کر کے ان کو ناقابل تسلیم قرار دے۔ اور نہ عقل ایسی اہمیت اور رسوخ رکھتی ہے۔ کہ وہ مذہب جیسی چیز بلکہ صداقت پر بطور حکم کے ہو۔ پہلا اصل جو عقل کی بیکاری اور ترک کا موید ہے۔ اس سے صرف یہی نقصان نہیں ہوتا۔ کہ لغو عقائد کو وہ قائم رکھتا ہے۔ بلکہ اس سے توہمات اور عجائب پرستی پیدا ہوتی ہے۔ اور علوم صحیحہ کی ترقی رک جاتی ہے۔ اور رفتہ رفتہ مذہب کے صحیح اور عمدہ عقائد بھی ان توہمات کے ہجوم میں غائب ہو کر مذہب صرف خیالی اور ناقابل عمل ہدایتوں اور دور از خیال قصوں کا مجموعہ بن جاتا ہے۔

برخلاف اس کے جن لوگوں نے عقل کو مذہب پر حکم قرار دیا۔ انہوں نے ایک حد تک توہمات کو دور کرنے کی تو کوشش کی۔ لیکن چونکہ عقلی معیار مختلف تھے۔ اور اس کے مدارج جداگانہ۔ اس لئے اس سے تفرقہ مذاہب یا اختلاف عقائد پیدا ہو گیا۔ اور رفتہ رفتہ یہ خیال کر جو عقیدہ اپنی عقل کے معیار اور پر صحیح نہیں اسے ترک کرتے گئے۔ اس سے الحاد اور بے دینی نے ترقی کی۔ یورپ کے آزاد خیال (فری تھینکرز) اسی عقل کی وجہ سے مذہبی رنگ میں ہلاک ہو رہے ہیں۔

پروفیسر لاروس اور عقل

چنانچہ پروفیسر لاروس مذہب کی مخالفت کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ "اگر ہم کہتے ہیں کہ ان باتوں کا اعتقاد کرنا چاہیئے۔ جو عقل میں آئیں۔ تو ہم سے کہا جاتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ عقل کو جو نیک و بد کی تمیز ہے۔ ذلیل کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب عقل کی آنکھیں اس قدر اندھی کر دی جاتی ہیں۔ خرق عادت ایک معمولی بات بن جاتی ہے۔ سفید سیاہ ہو جاتا ہے۔ بدنما چیز خوشنما ہو جاتی ہے۔ تو مذہب آتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ گردن ڈالدو۔ کس کے آگے؟ عقل کے آگے؟ نہیں نہیں فطری فرائض کے آگے نہیں؟ احساسات اندرونی کے آگے؟ نہیں اصول فطرت کے آگے نہیں؟ (ماخوذ از تطبیق صہ ۲۴)

اسی پروفیسر نے تمام مذاہب کے برباد ہو جانے کی پیشگوئی کی ہے۔ اور اسکی جڑ یہی ہے۔ کہ چونکہ مذہب عقل کو برباد کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے ضرور ہے۔ کہ خود برباد ہو جائے۔

ان خیالات سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ جو لوگ عقل کے اس حد تک حامی اور موید ہیں۔ کہ وہ اسے مذہب پر حکم قرار دیتے ہیں۔ وہ ترقی کرتے کرتے مذہب سے انکار اور مذہب کے ہلاک ہونے کی پیشگوئی کرنے کی جرأت کر دیتے ہیں۔

اس زمانہ میں جس میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ عقلی ترقی اور سائنس و فلسفہ کی بلند پروازی نے جو اثر پیدا کیا۔ اسی رو میں مسلمان بھی بہنے لگے۔ اور انہوں نے حال کے فلسفہ اور سائنس کے سامنے سجدہ کر دیا۔ فلسفی اور سائنٹیفک صداقتوں کی تسلیم کے لئے ایک مومن ہمیشہ دلیر ہوتا ہے۔ اور ایسے ہونا چاہیئے۔ لیکن حقیقی مذہب پر وہ ان علوم کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ کوئی شخص اس سے یہ قیاس نہ کرے۔ کہ میں علوم صحیحہ کو حقیقی مذہب کے منافی سمجھتا ہوں۔ یا یہ کہ حقیقی مذہب فلسفہ اور سائنس کے مقابلہ میں نعوذ باللہ گر جاتا ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ وہ ان تمام صداقتوں پر حکومت کرتا ہے۔

مسلمانوں کی غلطی

حقیقی حکومت مذہب کی ہے۔ نہ کہ عقل کی۔ یہ تو ضمناً ذکر آ گیا۔ میں اس وقت اس پر بحث کرنی نہیں چاہتا۔ بلکہ میری غرض یہ ہے۔ کہ ایک فریق نے عقل کو بے دخل قرار دیا۔ اور دوسرے نے اسکو مذہب پر جج ٹھیرایا۔ پس اس ترقی علوم کی رو میں مسلمانوں نے بھی اس اصل کو خوشنما پا کر اسکی تائید شروع کر دی۔ اور اسلام کی سب سے بڑی خوبی اور قرآن مجید کا سب سے بڑا معجزہ نعوذ باللہ یہی قرار دیا۔ کہ اسلام کو تقلیداً نہ مانو۔ بلکہ عقلی حیثیت سے۔

اسی حد تک تو شاید کچھ حرج نہ تھا۔ کیونکہ عقائد اسلام عقل صحیح کے خلاف نہیں۔ مگر مشکل تو یہ ہے۔ کہ جن لوگوں نے اس اصل کو جانچا نہیں اور اس معیار کی صحت پر غور نہیں کی۔ انہیں پھر آگے چل کر یہ مشکل پیش آئی۔ کہ جہاں کوئی بات ان کی سمجھ میں نہ آئی یا ان کے خیال میں یورپ کا فلسفہ مخالف نظر آیا۔ تو انہوں نے بجائے اس کے کہ مذہب اسلام کو جج اور معیار قرار دیتے۔ انہوں نے اسلامی عقائد یا اصول کی ایسی تشریح کرنی شروع کی جو کبھی

خدا نے اسلام نے اسکو پسند نہیں کیا

اور عقل کے حکم ہونے کی صحت پر کتابیں لکھیں اور قرآن مجید سے اس کے لئے استدلال کرنے لگے۔ ایک بہت بڑے مصنف

مورخ نے لکھا۔ کہ اسلام کے سوا دنیا میں اور کسی مذہب نے یہ دعویٰ نہیں کیا۔ کہ وہ عقل سے ثابت ہے۔ اور مذہب کو عقل کی بناء پر ماننا چاہیئے۔ اور یہ وہ بڑا فرق ہے۔ جو اعلانیہ اسلام کو دوسرے مذاہب سے ممتاز کرتا ہے۔ اس غلطی کی اصلاح جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمائی۔ یہ گویا

مذہب کی عقل پر فتح ہے

اور اس نے ثابت کر دیا۔ کہ فی الواقعہ آپ حکم اور عدل کی حیثیت سے دنیا میں نازل ہوئے تھے۔ آپ نے واضح کر کے بتایا کہ

عقل کی پوزیشن مذہب کیا قرار دیتا ہے؟

حضرت مسیح موعود حکم عدل کا فیصلہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس خصوص میں اپنی تصانیف میں بڑی طویل اور معرفت سے بھری ہوئی بحثیں کی ہیں۔ اور یہ موقعہ نہیں۔ کہ ان سب کو یہاں جمع کر دیا جاوے۔ آپ نے ہر چند عقلی دلائل کو یقین کامل کا موید قرار دیا ہے۔ لیکن مجرد عقل کو کامل یقین تک پہنچانے کا ذریعہ قرار نہیں دیا۔ بلکہ وہ کامل ذریعہ خدا تعالےٰ کا سچا الہام اور وحی ہے۔ حقیقت میں یہی مذہب کی روح اور مغز ہے۔ اسی ایک حربہ سے تمام مذاہب باطلہ رد ہو جاتے ہیں۔ چونکہ کامل الہام اور کامل وحی قرآن شریف کی وحی ہے۔ اسلیئے آپ نے اسی کو صحیح معیار شناخت عقائد حقہ کا قرار دیا۔ بہر حال میں مختصراً وجود عقل کے حکم ہونے یا نہ ہونے کے متعلق آپ ہی کے الفاظ میں آپ کا فیصلہ درج کرتا ہوں۔

یہ قول ہمارا جو یقینی اور کامل اور آسان ذریعہ شناخت عقائد حقہ کا بجز قرآن شریف کے اور کوئی نہیں۔ اپنے موقعہ پر بدلائل کاملہ ثابت کیا گیا ہے۔ اور جو لوگ دوسری کتابوں کے پابند ہیں۔ ان کے اصولوں کا غلط اور باطل اور نادرست ہونا بکمال تحقیق دکھلایا گیا ہے۔ مگر مت بد اسجگہ برہمو سماج والے جو کسی کتاب الہامی کے پابند نہیں۔ اور اصول حقہ کے جاننے میں صرف اپنی ہی عقل کو کافی سمجھتے ہیں۔ اس وہم کو دل میں جگہ دیں یہ کہ کیا مجرد عقل انسان کی معرفت اصول حقہ کے ملنے کا یقینی اور کامل اور آسان ذریعہ نہیں۔ سو اگرچہ وہم ان کا الہام کی بحث میں جو انشاء اللہ عنقریب بہ تفصیل تمام اسی کتاب میں درج ہوگی۔ جیسا کہ چاہیئے۔ دور کیا جائیگا۔ مگر اسی مقام میں بھی وہم مذکور کا قلع قمع کرنا ضروری ہے۔ سو واضح ہو۔ کہ اگرچہ یہ سچ بات ہے۔ کہ عقل بھی خدا نے انسان کو ایک چراغ عطا کیا ہے۔ کہ جس کی روشنی اس کو حق اور راستی کی طرف کھینچتی ہے۔ اور کئی طرح کے شکوک اور شبہات سے بچاتی ہے۔ اور انواع اقسام کے بے بنیاد خیالوں اور بے جا وساوس کو دور کرتی ہے۔ نہایت مفید ہے۔ بہت ضروری ہے۔ بڑی نعمت ہے۔ مگر پھر بھی باوجود ان سب باتوں اور ان تمام صفتوں کے اس میں یہ نقصان ہے۔ کہ صرف وہی اکیلی معرفت حقائق الاشیاء میں مرتبہ الیقین کامل تک نہیں پہنچا سکتی۔ کیونکہ مرتبہ یقین کامل کا یہ ہے۔ کہ جیسا کہ حقائق الاشیاء کے واقعہ میں موجود ہیں۔ انسان کو بھی ان پر ایسا ہی یقین آجائے کہ ہاں حقیقت میں موجود ہیں۔ مگر مجرد عقل انسان کو اس اعلےٰ درجہ یقین کا مالک نہیں بنا سکتی۔ کیونکہ غایت درجہ حکم عقل کا یہ ہے۔ کہ وہ کسی شے کے موجود ہونے کی ضرورت کو ثابت کرے جیسا کسی چیز کی نسبت یہ حکم دے۔ کہ اس چیز کا ہونا ضروری ہے یا یہ چیز ہونی چاہیئے۔ مگر ایسا حکم ہرگز نہیں دے سکتی۔ کہ واقعہ میں یہ چیز ہے بھی۔ اور یہ پایہ یقین کامل کا کہ علم انسان کا کسی امر کی نسبت ہونا چاہیئے۔ کے مرتبے سے ترقی کر کے ہے کے مرتبے تک پہنچ جائے۔ تب حاصل ہوتا ہے۔ کہ جب عقل کے ساتھ کوئی دوسرا ایسا رفیق مل جاتا ہے۔

کہ جو اسکی قیاسی وجوہات کو تصدیق کر کے واقعات مشہودہ کا لباس پہناتا ہے۔ یعنی جس امر کی نسبت عقل کہتی ہے۔ کہ ہونا چاہیئے۔ وہ رفیق اس امر کی نسبت یہ خبر دے دیتا ہے کہ واقعہ میں وہ امر موجود بھی ہے۔ کیونکہ جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔ عقل صرف ضرورت شے کو ثابت کرتی ہے۔ خود شے کو ثابت نہیں کر سکتی۔ اور ظاہر ہے۔ کہ کسی شے کی ضرورت کا ثابت ہونا امر دیگر ہے۔ اور خود اس شے کا ثابت ہو جانا امر دیگر۔ بہر حال عقل کے لئے ایک رفیق کی حاجت ہوئی۔ کہ تا وہ رفیق عقل کے اس قیاسی اور ناقص قول کا کہ جو ہونا چاہیئے کے لفظ سے بولا جاتا ہے۔ مشہودی اور کامل قول سے جو ہے کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جبر نقصان کرے۔ اور واقعات سے جیسا کہ وہ نفس الامر میں واقع ہیں۔ آگاہی بخشے۔ سو خدا نے جو بڑا ہی رحیم اور کریم ہے۔ اور انسان کو مراتب قصویٰ یقین تک پہنچانا چاہتا ہے۔ اس حاجت کو پوری کیا ہے۔ اور عقل کے لئے کئی رفیق مقرر کر کے راستہ یقین کامل کا اس پر کھول دیا ہے۔ تا نفس انسان کا کہ جس کی ساری سعادت اور نجات یقین کامل پر موقوف ہے۔ اپنی سعادت مطلوبہ سے محروم نہ رہے۔ اور ہونا چاہیئے کے نازک اور پُر خطر پل سے کہ عقل نے شکوک اور شبہات کے دریا پر باندھا ہے۔ بہت جلد آگے عبور کر کے ہے کے قصر عالی میں جو دار الامن والاطمینان ہے۔ داخل ہو جائے۔ اور وہ رفیق عقل کے جو اس کے یار اور مددگار ہیں۔ ہر مقام اور موقعہ میں الگ الگ ہیں۔ لیکن ازروئے حصر عقلی کے تین سے زیادہ نہیں۔ اور ان تینوں کی تفصیل اس طرح پر ہے۔ کہ اگر حکم عقل کا دنیا کے محسوسات اور مشہودات سے متعلق ہو۔ جو ہر روز دیکھے جانے یا سُنے جاتے یا سونگھے جاتے یا ٹٹولے جاتے ہیں۔ تو اس وقت رفیق اس کا جو اس کے حکم کو یقین کامل تک پہنچاوے۔ مشاہدہ صحیحہ ہے۔ کہ جس کا نام تجربہ ہے۔ اور اگر حکم عقل کا ان حوادث اور واقعات سے متعلق ہو۔ جو مختلف ازمنہ اور امکنہ میں صدور پاتے رہے ہیں۔ یا صدور پاتے ہیں۔ تو اس وقت اس کا ایک اور رفیق بنتا ہے۔ کہ جس کا نام تواریخ اور اخبار اور خطوط اور مراسلات ہے۔ اور وہ بھی تجربہ کی طرح عقل کی دور آمیز روشنی کو ایسا مصفا کر دیتا ہے۔ کہ پھر اس میں شک کرنا ایک حمق اور جنون اور سودا ہوتا ہے۔ اور اگر حکم عقل کا ان واقعات سے متعلق ہو۔ جو ماوراء المحسوسات ہیں۔ جن کو ہم نہ آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں۔ اور نہ کان سے سُن سکتے ہیں۔ اور نہ ہاتھ سے ٹٹول سکتے ہیں۔ اور نہ اس دنیا کی تواریخ سے دریافت کر سکتے ہیں۔ تو اس وقت اس کا ایک تیسرا رفیق بنتا ہے۔ کہ جس کا نام الہام اور وحی ہے۔ اور قانون قدرت بھی یہی چاہتا ہے۔ کہ جیسے پہلے دو مواضع میں عقل ناتمام کو دو رفیق میسر آگئے ہیں۔ تیسرے موضع میں بھی میسر آیا ہو۔ کیونکہ قوانین فطرتیہ میں اختلاف نہیں ہو سکتا۔ بالخصوص جبکہ خدا نے دنیا کے علوم اور فنون میں کہ جن کے نقصان اور سہو اور خطا میں چنداں ہرج بھی نہیں۔ انسان کو ناقص رکھنا نہیں چاہا۔ تو اس صورت میں خدا کی نسبت یہ بڑی بدگمانی ہوگی۔ جو ایسا خیال کیا جاوے۔ جو اس نے ان امور کی معرفت تامہ کے بارے میں کہ جن پر کامل یقین رکھنا نجات اخروی کی شرط ہے۔ اور جن کی نسبت شک رکھنے سے جہنم ابدی تیار ہے انسان کو ناقص رکھنا چاہا ہے۔ اور اس کے علم اخروی کو صرف ایسے ایسے ناقص خیالات پر ختم کر دیا ہے۔ کہ جن کی محض اٹکلوں پر ہی ساری بنیاد ہے اور ایسا ذریعہ اس کے لئے اور کوئی بھی مقرر نہیں کیا۔ کہ جو شہادت واقعہ دیکر اس کے دل کو یہ تسلی اور تشفی بخشے کہ وہ اصول نجات جن کا ہونا عقل بطور قیاس اور اٹکل کے تجویز کرتی ہے۔ وہ حقیقت میں موجود ہی ہیں۔ اور جس ضرورت کو عقل قائم کرتی ہے۔ وہ فرضی ضرورت نہیں۔ بلکہ حقیقی اور واقعی ضرورت ہے۔ اب جبکہ یہ ثابت ہوا۔ کہ الہیات میں یقین کامل صرف الہام ہی کے ذریعہ سے ملتا ہے۔ اور انسان کو اپنی نجات کے لئے یقین کامل کی ضرورت ہے۔ اور خود بغیر یقین کامل کے ایمان سلامت لے جانا مشکل۔ تو نتیجہ ظاہر ہے۔ کہ انسان کو الہام کی ضرورت ہے۔ اور اس جگہ یہ بھی جاننا چاہیئے۔ کہ اگرچہ ہر ایک الہام الٰہی یقین دلانے کے لئے ہی آیا تھا۔ لیکن قرآن شریف نے اس اعلیٰ درجہ یقین کی بنیاد ڈالی۔ کہ بس حد ہی کر دی۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے۔ کہ پہلے جتنے الہام خدا کی طرف سے نازل ہوئے۔ وہ صرف شہادت واقعہ کی ادا کرتے رہے۔ اور ان کی ساری طرز منقولات کی طرز تھی۔ اور اسی باعث سے وہ آخر میں بگڑ گئے۔ اور خود غرضوں اور خود پرستوں نے کچھ کا کچھ سمجھ لیا۔ لیکن قرآن شریف کی تعلیم نے عقل کا بھی سارا بوجھ آپ ہی اٹھا لیا۔ اور انسان کو ہر ایک طرح کی مشکلات سے خلاصی بخشی۔ آپ ہی مخبر صادق ہو کر الہیات کے واقعات کی خبر دی۔ اور پھر آپ ہی عقلی طور پر اس خبر کو بپایہ ثبوت پہنچایا۔ جو شخص دیکھے اسے معلوم ہو۔ کہ قرآن شریف میں دو امر کا التزام اول سے آخر تک پایا جاتا ہے۔ ایک عقلی وجوہ اور دوسری الہامی شہادت۔ یہ دونوں امر فرقان مجید میں دو بزرگ نہروں کی طرح جاری ہیں۔ جو ایک دوسرے کے محاذی اور ایک دوسرے پر اثر ڈالتے چلے جاتے ہیں۔ عقلی وجوہ کی جو نہر ہے۔ وہ یہ ظاہر کرتی گئی ہے۔ کہ یہ امر ایسا ہونا چاہیئے۔ اور جو اس کے مقابل پر الہامی شہادت کی نہر ہے۔ وہ بزرگ اور راستباز مخبر کی طرح یہ دلوں کو تسلی بخشتی گئی ہے۔ کہ واقعہ میں بھی ایسا ہی ہے۔ اور طرز فرقانی سے جو طالب حق کو حق معلوم کرنے میں آسانی ہے۔ وہ بھی ظاہر ہے۔ کیونکہ پڑھنے والا فرقان مجید کا ساتھ ساتھ دلائل عقلی کو بھی معلوم کرتا جاتا ہے۔ ایسے دلائل کہ جس سے زیادہ تر محکم دلائل کسی دفتر فلسفی میں مرقوم نہیں جیسا کہ ہم اس دعوے کو اسی کتاب کے فصل اول میں ثابت کریں گے۔ اور پھر دوسری طرف الہام الٰہی سے شہادت واقعہ پا کر اعلیٰ درجہ یقین کو پہنچ جاتا ہے۔ اور یہ سب کچھ اسکو مفت ملتا ہے جو دوسرے شخص کو ساری عمر کی مغز خواری اور جان کنی سے بھی نہیں مل سکتا۔ پس ثابت ہوا۔ کہ یقینی اور کامل اور آسان ذریعہ شناخت اصول حقہ کا اور ان سب عقائد کا کہ جن کے علم یقینی پر ہماری نجات موقوف ہے۔ صرف قرآن شریف ہے۔ اور یہی ثابت کرنا تھا۔ (براہین احمدیہ جلد دوم حاشیہ صفحہ ۸۹ تا حاشیہ صفحہ ۹۲)

(باقی آئندہ)

ایک مجاہد بھائی کے لئے دردمندانہ دعا

مجاہد کبیر مولوی محمد الدین صاحب مولوی فاضل جو جنگ سے قبل البانیہ۔ یوگوسلاویہ۔ اٹلی۔ یونان۔ مصر اور حجاز میں اعلائے کلمۃ الاسلام کی خدمت سرفروشانہ سرگرمیوں کے ساتھ کرتے رہے۔ اب وسط نومبر ۱۹۴۳ء میں تبلیغ اسلام کی غرض سے مغربی افریقہ کو روانہ ہوئے تھے۔

مولوی محمد الدین صاحب نے اس سفر سے بہت ہی تھوڑا عرصہ قبل شادی کی تھی۔ اور اپنی نئی دلہن۔ بوڑھے باپ اور دادا کے سوا دیگر افراد خاندان کو محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خدمت اسلام کی خاطر سے یہ مخدوش اور ہولناک سفر اختیار کرنا پسند کر لیا تھا۔ ان کے قلب کو کوئی گھبراہٹ نہ تھی۔ وہ جنگ کی وجہ سے ان ہولناک تباہیوں سے بالکل مرعوب نہ تھے۔ میں نے ایک دن ان سے کہا۔ کہ مولوی صاحب سمندر کی حالت تو اس وقت بڑی خطرناک ہے۔ کہنے لگے۔ ہاں خطرناک تو ہے۔ میں نے کہا۔ کہ پھر آپ کیسے سفر کریں گے۔ کہنے لگے خدا کا کام ہے۔ وہی فضل کرے گا۔ مولوی صاحب نے اپنی زندگی کی ہر چیز کو اس خدمت دین کے لئے قربان کر دیا۔ اور وہ بڑی ہی بشاشت

سلسلہ عالیہ احمدیہ کا سالانہ جلسہ

(۲)

سلسلہ احمدیہ کے سالانہ جلسہ کے متعلق میں اپنے تاثرات کو لکھا کرتا ہوں. مگر شروع جنوری سے نزلہ۔ زکام کھانسی کے بگڑ جانے سے میں ایسا بیمار ہوا۔ کہ اس وقت تک نہ آرام میسر ہوا۔ اور نہ اطمینان۔ کھانستے کھانستے ایسا معلوم ہوتا۔ کہ دمہ کی سی صورت ہوگئی ہے۔ تمام انتڑیاں اور اعصاب دکھنے لگ گئے۔ اسی حالت میں جو کچھ تھوڑا بہت لکھا جاسکا۔ لکھا گیا۔ مجھے اگر اللہ تعالےٰ نے شفا دی۔ تو اگلے نمبر میں مختصر سے حالات لکھ کر اس حصہ مضمون کو ختم کر دوں گا۔ گذشتہ نمبر میں حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی افتتاحی تقریر کا کچھ حصہ میں نے دیا تھا آج کی اشاعت میں اس کا بقیہ حصہ دے رہا ہوں۔ (ایڈیٹر)

پس ہمارے لیے ضروری ہے۔ کہ ہم جب بھی کسی اجتماع میں شامل ہوں۔ ہماری توجہ کا مرکز خصوصیت کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات ہوں۔ اور وہ مقاصد ہوں۔ جو خدا تعالےٰ نے ہمارے لئے تجویز کئے ہیں۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات کو ہماری جماعت اپنے سامنے رکھے۔ تو ہم میں سے ہر شخص کے دل میں اندھا دھند نہیں۔ جیسے جاہلوں کا ایمان ہوتا ہے بلکہ علیٰ وجہ البصیرت یہ ایمان پیدا ہو جائے۔ کہ یورپ میں اس وقت جو جنگ پیدا ہو رہی ہے۔ وہ دنیا کے مستقبل کا فیصلہ نہیں کرے گی۔ بلکہ دنیا کا آئندہ فیصلہ اس اجتماع پر ہوگا۔ جو اس میدان میں ہو رہا ہے۔ ہمارے نزدیک تو وہ ایک کھیل کھیل رہے ہیں۔ وہ جتنی تلواریں چلائیں جتنی بندوقیں اور توپیں چلائیں۔ جتنے طیارے بنائیں۔ اور جسقدر بم پھینکیں۔ سب ایک کھیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور اسکی مثال اس سے زیادہ نہیں۔ جیسے کوئی عظیم الشان عمارت یا بہت بڑا محل بننے والا ہو۔ تو اس کے ایک کونہ میں پاخانے کا کوئی حصہ بنایا جا رہا ہو۔ اس سے زیادہ موجودہ جنگ کی کوئی حقیقت نہیں۔ ان کی سب کوششیں دھری کی دھری رہ جائیں گی۔ اور یہ انقلابات اس انقلاب کے مقابلہ میں رہیں گے ہی نہیں۔ جو خدا تعالےٰ کے مدنظر ہے۔

اگر یہ چیز ہماری جماعت کے دوستوں کے مدنظر رہے۔ تو یقیناً ان میں ایسی حس پیدا ہو جائے۔ کہ ان کے سست بھی چست ہو جائیں۔ پس ان مقاصد کو اپنے سامنے رکھتے ہوئے ہمارے مقرروں کو چاہیئے۔ کہ وہ تقریریں کریں۔ اور انہی مقاصد کو اپنے سامنے رکھتے ہوئے سامعین کو چاہیئے۔ کہ ان تقریروں کو سنیں۔ اور یہ بات ہر وقت ذہن میں رہے۔ کہ ہمارے سامنے وہ مقاصد نہیں۔ جو ہم نے تجویز کرنے ہیں۔ بلکہ ہمارے سامنے وہ مقاصد ہیں۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات میں خدا تعالےٰ نے پہلے سے بتائے ہوئے ہیں۔ ان مقاصد میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں۔ اور اگر کوئی شخص ان مقاصد کے حصول کے لئے جد و جہد نہیں کرے گا۔ تو خدا اسے ابتلاؤں اور امتحانات کے ذریعہ مجبور کرے گا۔ کہ وہ ان مقاصد کے حصول کے لئے جد و جہد کرے۔ جب آقا اپنے کسی خادم کو چھت پر چڑھانا چاہتا ہو۔ اور خادم کسی ایک سیڑھی پر جاکر بیٹھ رہے۔ تو اس کا آقا اسے مار کر کہتا ہے۔ کہ اٹھ اور اوپر چڑھ۔ پھر اگر وہ کسی اور سیڑھی پر بیٹھ جائے۔ تو پھر اس کا آقا اسے مارتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ اٹھ اور اوپر چڑھ۔ اسی طرح خدا تعالیٰ ہمیں چھت پر لے جانا چاہتا ہے۔ اگر کوئی شخص راستہ میں ہی بیٹھ رہے گا۔ تو خدا تعالےٰ اسے ٹھوکر مار کر کہے گا کہ اٹھ اور آگے چل۔ وہ چاہے اس کا نام ابتلا رکھے۔ امتحان رکھے۔ چاہے مصیبت اور تکلیف رکھے۔ بہرحال یہ ابتلا آتے چلے جائیں گے۔ جب تک کہ وہ اوپر نہ چڑھ جائے۔

اس نصیحت کے بعد اب میں دوستوں سے کہتا ہوں کہ ہماری خواہشیں اور نصیحتیں سب بیکار ہیں۔ جب تک اللہ تعالےٰ کی مدد اور اسکی نصرت شامل حال نہ ہو۔ پس آؤ ہم اللہ تعالےٰ سے دعا کریں۔ کہ ہم چھوٹے چھوٹے ذہنی مقاصد کو بھول جائیں۔ اور ان عظیم الشان مقاصد کو اپنے سامنے رکھیں۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اللہ تعالےٰ نے ظاہر فرمائے ہیں۔ اور جن کا آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے دنیا میں اعلان ہو چکا ہے۔ مقرر تو وہ روزِ ازل سے ہی تھے۔ ابھی آدم بھی پیدا نہیں ہوا تھا۔ کہ خدا تعالےٰ نے آسمان پر یہ فیصلہ کر دیا تھا۔ کہ ایک زمانہ میں جماعت احمدیہ پیدا ہوگی۔ اور اس کے ذمہ یہ یہ کام ہوں گے۔ مگر اس کا اعلان آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے ہوا۔ پس آؤ ہم دعا کریں۔ کہ اللہ تعالےٰ ہمیں ایسی توفیق عطا فرمائے کہ ہم ان مقاصد کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھیں اور پھر ان مقاصد کے مطابق عمل کرتے چلے جائیں۔ اسی طرح دعاؤں میں ان دوستوں کو بھی مدنظر رکھیں۔ جن کے دل جلسہ سالانہ میں شامل ہونے کے لئے تڑپ رہے ہیں۔ مگر وہ جنگ کی وجہ سے کسی دور دراز ملک میں ہیں۔ اور اس وجہ سے وہ جلسہ میں شامل نہیں ہو سکے۔ یا جنگی قیدی ہیں۔ یا بیمار اور کمزور اور بوڑھے ہیں۔ یا ان کی مالی حالت ایسی نہیں تھی۔ کہ وہ جلسہ میں آسکتے۔ یا مالی حالت تو اچھی تھی۔ مگر انہیں چھٹیاں نہیں ملیں۔ ان تمام لوگوں کے لئے جن کے دلوں میں تڑپ تھی۔ آرزو تھی۔ اور خواہش تھی۔ کہ وہ قادیان پہنچیں مگر مجبوریوں کی وجہ سے وہ اپنی خواہش کو پورا نہیں کر سکے۔ دعا کریں۔ کہ اللہ تعالےٰ اس صدمہ کے بدلہ میں انہیں بہتر سے بہتر انعام دے۔ اور اپنی نعمتوں سے ان کے گھروں کو بھر دے۔ تاکہ ان کے دلوں کو جو زخم پہنچا ہے۔ اس کے لئے تسکین کا سامان ہو جائے۔

پھر ان لوگوں کے لئے بھی دعا کریں۔ جن کو یہاں آنے کی توفیق تو تھی۔ مگر وہ نہیں آئے۔ کہ اللہ تعالےٰ ان کی سستی اور غفلت کو دور کرے۔ اور انہیں توفیق عطا فرمائے۔ کہ وہ آئندہ کسی نیکی کے کام سے پیچھے نہ رہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کے لئے بھی دعا کریں۔ جن کے دلوں میں یہاں آنے کی خواہش ہی نہیں۔ وہ علم رکھتے ہوئے ہم سے بغض رکھتے۔ اور ہماری عداوت اور دشمنی میں حد سے بڑھے ہوئے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ اپنے فضل سے ان کی آنکھیں کھول دے۔ تاکہ وہ بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت میں شامل ہو جائیں۔ اور اس حقانیت کے پھیلانے میں حصہ لیں۔ جس حقانیت کے پھیلانے کی خدا تعالیٰ ہمیں توفیق دے رہا ہے۔ اور ہمارے ہم دوش ہو کر وہ بھی شیطان کا مقابلہ کریں۔ پھر ان لوگوں کے لئے بھی دعا کریں جو قادیان میں رہنے والے ہیں۔ اور جن پر مہمانوں کی بہت بڑی خدمت کا بہت بڑا بوجھ ہے۔ آج کل سردیوں اور بیماریوں کے دن ہیں۔ مگر باوجود اس کے بعض لوگ بیماری کی حالت میں بھی کام کر رہے ہیں۔ اور جس طرح باہر کے لوگ تکلیفیں اٹھاتے ہیں۔ اسی طرح دیکھا گیا ہے۔ کہ جلسہ سالانہ کے بعد قادیان کے رہنے والوں میں سے بہت سے بیمار ہو جاتے ہیں۔ پس دوست ان کے لئے بھی دعا کریں۔ کہ اللہ تعالیٰ انہیں پوری طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مہمانوں کی خدمت کی توفیق دے۔ اور ہر قسم کے بداثرات سے جو ان بیماریوں اور سردیوں کے دنوں میں ان کی صحت پر پڑ سکتے ہیں۔ محفوظ رکھے۔

اسی طرح دوست دعا کریں کہ اللہ تعالےٰ دنیا میں ایسے تغیرات رونما فرمائے۔ کہ جن کے نتیجہ میں اسلام اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان کا اظہار ہو۔ اور پھر خدا اسلام کی بادشاہت کو اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ شان و شوکت کے ساتھ قائم کر دے۔ جس طرح وہ آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے قائم تھی۔ اور وہ علوم جو پہلے زمانہ کے مناسب حال نہ ہونے کی وجہ سے قرآن کریم میں مخفی کر دیئے گئے تھے۔ خدا تعالیٰ ہماری جماعت کو توفیق دے۔ کہ ہم ان کو ظاہر کریں۔ اور قرآنی علوم کا وہ حصہ جو اس زمانہ کے لئے ہے۔ اسے پھیلانے اور علوم کے اس خزانے سے لوگوں کو آگاہ کرنے کی طاقت دے۔ تاکہ وہ حصے جن کو پہلے لوگ روشن اور اجاگر نہیں کر سکے تھے احمدیت کے ذریعہ پھر اجاگر اور روشن ہو جائیں۔ اور دنیا اس بات کو تسلیم کرے۔ کہ اس مالک و خالق خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں۔ جسے اسلام نے پیش کیا ہے۔ اور اس ذاتِ بابرکات کے سوا جو عرب میں ظاہر ہوئی۔ اور جس کا نام محمد تھا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ دنیا کی راہ نمائی کرنے والا اور کوئی رسول نہیں۔ اور اس کے خادم اور غلام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا اس کے پیغام کو پہنچانے والا اور محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وساطت سے لوگوں کو خدا سے ملانے والا اور کوئی نہیں۔ پس آؤ ہم دعا کریں۔ کہ اللہ تعالےٰ یہ سب کام اپنے فضل سے کر دے۔ اور ہماری حقیر اور ذلیل کوششوں کو وہ معزز اور برکت والا بنا دے۔ اَللّٰھُمَّ اٰمین۔

(اس کے بعد حضور نے حاضرین سمیت لمبی دعا فرمائی)

ہمدردان الحکم توجہ فرمائیں!

سب احباب کو معلوم ہے۔ کہ اس وقت جنگ کی مشکلات کی وجہ سے کاغذ کے حصول کے لئے بڑی دقتیں پیش آرہی اور کاغذ کسی قیمت پر بھی میسر نہیں آرہا۔ ان حالات میں بڑے بڑے اخبارات اپنے آپ کو سخت خطرے میں محسوس کر رہے ہیں۔ اس صورت میں جن اخبارات کے فنڈز مضبوط ہیں۔ ان کے متعلق یہ گمان کرنا کہ وہ اپنے آپ کو زندہ رکھ سکیں گے۔ ایک ایسا خیال ہے۔ جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ایسی صورت میں صرف ایک ہی چیز اس مشکل میں کھڑے رہنے کے لئے ہماری مدد کر سکتی ہے۔ اور وہ آپ کی امداد ہے۔ اسلئے ہر ایسے بھائی سے جو الحکم سے ایک ذرہ بھی ہمدردی رکھتا ہو۔ اس سے میری یہ درخواست ہے۔ کہ اگر اسکے ذمہ کوئی بقایا ہے۔ وہ اسے ادا فرما کر اور اگر بقایا نہیں۔ تو نئے سال کی قیمت پیشگی دے کر میرے ساتھ قیام و استحکام الحکم کے لئے تعاون فرمائے۔ (محمود احمد عرفانی)

حقائق و معارف

(۸)

سورہ ہود

(مرتبہ حضرت عرفانی کبیر)

حضرت نوح کا ذاتی مقام

جیسا کہ اوپر لکھ چکا ہوں منکرین نوح ؑ نے حضرت نوح ؑ کی ذات پر پہلے اعتراض کئے تھے۔ اور پھر متبعین نوح کے مقام اور حیثیت پر حملہ کیا تھا۔ حضرت نوح نے جواب دیتے وقت اپنے دعویٰ کی حیثیت سے اپنے مقام کو مقدم کیا۔ اور اس کا جواب دیا۔ کہ میں خدا تعالیٰ کا نبی ہوں۔ اور بینہ اور رحمت لے کر آیا ہوں۔ شریعت کے متعلق جو ان کا اعتراض تھا۔ اس پر زیادہ التفات نہیں کی۔ مگر اپنے متبعین کے متعلق پوری غیرت اور محبت کے جذبات کا اظہار کیا۔ اور خدا تعالیٰ کے حضور ان کے مقام اور رتبہ سے ان کو ڈرایا۔

ولا اقول لکم عندی خزائن الایۃ

(میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نذیر مبین ہوں۔ اس سے بڑھ کر میرا کوئی دعویٰ نہیں۔ سنو میں کھول کر بتا دیتا ہوں) اور میں تمہیں یہ نہیں کہتا۔ کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ اور میں غیب نہیں جانتا۔ اور نہ میں یہ کہتا ہوں۔ کہ میں فرشتہ ہوں (یعنی آدمی ہی ہوں) اور نہ ان لوگوں کے متعلق جن کو تمہاری آنکھیں حقیر دیکھتی ہیں۔ یہ کہتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کو کوئی بھلائی نہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ جو ان کے دلوں میں ہے۔ (اگر میں ان کو رد کر دوں) تو میں معاً ظالم ہو جاؤں گا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے دعویٰ کی صراحت میں ان کے بشر کہنے کے اعتراض کا جواب دیا ہے۔ کہ میں اس سے انکار نہیں کرتا۔ کہ میں بشر ہوں۔ بشر ہی ہوں۔ لیکن یاد رکھو۔ کہ مجھ میں بولنے والی کوئی اور ہستی ہے۔ میں تو گویا اس نے کی طرح ہوں۔ جس میں انسان پھونکتا ہے۔ یعنی میں ہوں تو انسان اور بشر مگر خدا تعالیٰ مجھ میں بولتا ہے۔ اور میں اسکی طرف سے مامور ہو کر آیا ہوں۔ باوجود اس کے یہ نہ سمجھ لینا۔ کہ میں نے خدائی کا دعویٰ کیا ہے۔ میں تو ایک واسطہ ہوں۔ اس میں شکل کا سوال یا غیر معمولی تبدیلی کا سوال لغو ہے۔

یہ بھی یاد رکھو۔ اللہ تعالیٰ آپ ہی اپنے خزانوں کا مالک اور وہی غیب کا مالک ہے۔ مجھے اس کا بھی ادعا نہیں۔ ہاں اپنے فضل سے جو کچھ دے۔ وہ امر دیگر ہے۔ یہ بیان کرتے کرتے پھر حضرت نوح کی غیرت اپنے متبعین کے لئے جوش مارتی ہے۔ اور پھر ان کی طرف سے جواب دینے پر اس کا اظہار کرتے ہیں۔ کہ

تم جو میرے متبعین کو ذلیل کہتے ہو۔ یاد رکھو۔ میں تو نہیں کہتا کہ کل خدا ان کو بادشاہ نہ کر دیگا۔ (یعنی ضرور کر دے گا) گویا وہ تو بادشاہ ہیں۔ جن کو تم ذلیل کہتے ہو۔ خدا تعالیٰ ان کے دل کی حقیقت کو جانتا ہے۔ اور وہ خوب جانتا ہے۔ کون رذیل ہے۔ میرے نزدیک رذیل کا وہ معیار نہیں جو تم سمجھتے ہو۔ اگر میں بھی ان کو حقیر سمجھوں۔ یا اپنی نسبت وہ دعویٰ کروں۔ جو مجھے سزاوار نہیں۔ تو میں ظالم ہو جاؤں۔

منکرین نبوت دلائل سے عاجز آ کر عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں

حضرت نوح ؑ نے جب اپنے منکرین کو معقولیت کے ساتھ اس طرح عاجز کر دیا۔ تو انہوں نے مطالبہ عذاب کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے کہا۔

قالوا یا نوح قد جادلتنا الایۃ

ان منکرین نے کہا اے نوح تو نے ہم سے جھگڑا کیا۔ اور بڑی لمبی بحث کی ہے۔ (قصہ مختصر کر) اگر تو سچا ہے۔ تو جس عذاب کا وعدہ کرتا ہے۔ وہ لے آ۔

عام طور پر منکرین نبوت کا یہ شیوہ ہے۔ کہ وہ جب دلائل اور معقولیت کے سامنے عاجز آ جاتے ہیں۔ تو پھر عذاب الٰہی مانگتے ہیں۔ اور اس کا بھی فوری مطالبہ ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی انہوں نے یہی کہا۔ نوح نے جواباً کہا۔

قال انما یاتیکم بہ اللہ ان شاء وما انتم بمعجزین

نوح نے کہا کہ (عذاب جس کا تم مطالبہ کرتے ہو) انشاء اللہ ضرور آ جائے گا۔ اور تم اس میں روک نہیں ڈال سکتے۔

پھر ان کی حالت پر افسوس کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ لاینفعکم نصحی الایۃ۔ میری نصیحت تم کو نفع نہیں پہنچا سکتی۔ اگر میں یہ ارادہ کروں کہ تمہاری خیر خواہی کروں۔ (کیونکہ) اگر اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کر لیا ہو۔ کہ تم کو ہلاک کر دے۔ وہ تمہارا رب ہے۔ اور اسی کی طرف تم کو لوٹایا جاویگا۔

یعنی اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور منشا غالب ہے۔ اور خدا تعالیٰ تمہارا رب ہے۔ اس کے ہر فعل میں تمہاری تربیت اور تکمیل ہی ہے۔

انبیاء علیہم السلام اپنے منکرین پر عذاب سے خوش نہیں ہوتے۔ بلکہ ان سے بڑھ کر کسی انسان کو صدمہ نہیں ہوتا۔ لیکن چونکہ وہ خدا تعالیٰ کے ہر فعل میں اسکی رحمت اور حکمت کے مناظر کو دیکھتے ہیں۔ اسلئے ان لوگوں کو جو اپنے انکار اور عناد کی وجہ سے اپنے آپ کو عذاب الٰہی کا مستحق بنا لیتے ہیں۔ خدا ہی کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ مگر منکرین نبوت کی بھی عجیب حالت ہوتی ہے۔ (اللہ تعالیٰ اس بلا سے بچائے۔ آمین) کہ وہ انکار کے لئے حیلے ہی تراشتے رہتے ہیں۔ اور مخالفت میں بڑھتے جاتے ہیں۔

حضرت نوح نے انہیں کھول کر بتا دیا۔ کہ میرا ارادہ تمہاری نصح کا ہے۔ لیکن اگر خدا تعالیٰ دیکھے۔ کہ تمہارا ہلاک ہونا ہی ٹھیک ہے۔ تو میرا ارادہ اس کے ارادہ کے تابع ہے۔ اور وہی حق اور حکمت ہے۔ یہ آیت نہایت واضح طور پر اس اعتراض کو دور کر دیتی ہے۔ جو بعض لوگ کرتے ہیں۔ کہ حضرت نوح نے بد دعا کی تھی۔ وہ تو صاف کہتے ہیں۔ کہ میں تو تمہاری بھلائی چاہتا ہوں۔ اور ربکم کہکر یہ بھی صاف کر دیا۔ کہ خدا تعالیٰ اگر ہلاک کا ارادہ کرتا ہے۔ تو اس میں بھی تربیت اور ربوبیت ہی کی تجلی کی ایک شان ہے۔

اب آخری اعتراض کا جواب اور اتمام حجت کرتے ہیں۔

ام یقولون افترٰہ الخ

آخری اتمام حجت

کیا وہ کہتے ہیں۔ کہ اس شخص نے جھوٹ بنا لیا ہے۔ کہہ اگر میں نے جھوٹ بنا لیا ہے۔ تو میرا گناہ مجھ پر پڑے گا۔ اور میں اس جرم سے پاک ہوں۔ جو تم کرتے ہو۔

اس آیت میں نوح ہی کا ذکر ہے۔ اور منکرین نوح پر آخری اتمام حجت ہے۔ نہایت ہی لطیف پیرایہ میں انہیں عذاب الٰہی سے ڈرایا ہے۔ منکرین کہتے ہیں۔ کہ معاذ اللہ نوح نے یہ عذاب کی پیشگوئی افترا کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی وحی سے حضرت نوح جواب دیتے ہیں۔ کہ اگر یہ افترا ہے تو یہ میرا گناہ ہے۔ اس کا وبال مجھ پر پڑیگا۔ تم کیوں فکر کرتے ہو۔

لیکن

تم جانتے ہو۔ کہ تم جو گناہ کرتے ہو۔ میں ان سے پاک ہوں۔ کیا میں خدا ہی پر افترا کرتا۔ یہ ایک معنے اس آیت کے ہیں۔ اور حضرت نوح اپنی پاکیزہ زندگی کے ذریعہ ان پر اتمام حجت کرتے ہیں۔ کہ تم جانتے ہو۔ کہ میں تمہارے معروف گناہوں میں آلودہ نہیں۔ پھر کیا میں خدا تعالیٰ پر ہی افترا کرتا۔ دوسرے معنے یہ ہیں۔ تم نے حق اور صداقت کا انکار کیا ہے۔ اور یہ معمولی گناہ نہیں۔ یہ خدا سے کاٹ دینے والا فعل ہے۔ پس یاد رکھو۔ کہ خدا پر افترا کرنے والا تو میں نہیں ہوں۔ میں نے جو کچھ کہا ہے۔ اسکی وحی اور ارشاد سے کہا ہے۔ لیکن جو گناہ تم نے کیا ہے۔ وہ بہت خطرناک ہے۔ اس لطیف پیرایہ میں ان کو بتا دیا ہے۔ کہ

تم اسکی سزا بھگتے بغیر نہیں رہو گے

پادری ویری کا اعتراض اور جواب

اس آیت پر پادری ویری نے ایک اعتراض کیا ہے۔ کہ یہ قرآن مجید کی بے ربطی کی دلیل ہے۔ حضرت نوح کا واقعہ بیان ہو رہا تھا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر آ گیا۔ اور وہ اس کے لئے کہتا ہے۔ کہ چونکہ محمد رسول اللہ خود کلام بناتے تھے۔ وہ بھول گئے۔ کہ میں نوح کا واقعہ بیان کر رہا تھا۔

میں کہتا ہوں (حضرت خلیفۃ المسیح) کہ خدا تعالیٰ ویری کے منہ میں یہ اعتراض ڈال کر اس کا جواب دیتا ہے۔ کہ اگر تم کہتے ہو کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم افترا کرتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ یہ خدا کا گناہ ہے۔ خدا آپ مواخذہ کرے گا۔ وہ جیسے تم خدا کا بیٹا اور خدا کہتے ہو۔ وہ تو تمہارے عقیدہ کے موافق پھانسی پر لٹکایا گیا اور یہ بچ گیا۔ اس کے محفوظ رہنے نے ثابت کر دیا۔ کہ وہ پاک ہے۔ (باقی)

(البقیہ مضمون صـ۲)

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کا یہ فیض عام غیر مذاہب کے گھروں تک بھی پہنچا۔ اور آپ نے بیوہ اور غریب عورتوں کے علاوہ نادار مردوں کو بغیر ان کی درخواست کے گندم کی بوریاں ان کے گھروں تک پہنچا دیں۔

آپ نے ہر مصیبت زدہ کی حالت کو جانچا۔ ہر تکلیف زدہ کی تکلیف کو دور کیا۔ اور قحط کے شدید پنجوں سے ان کو رہائی دلائی۔

اور اس معاملہ میں جہاں آپ کی مماثلت حضرت یوسف ؑ کے ساتھ ملتی ہے۔ وہاں آپ کی مماثلت حضرت عمر رضؓ سے ملتی ہے۔ جو لوگوں کے حالات معیشت سے خبردار رہتے تھے۔ اور ان کی زندگیوں کی ضرورتیں مہیا فرمادیا کرتے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی زندگی کا ایک شاندار پہلو جو لوگوں کی نگاہ سے پوشیدہ ہے وہ آپ کے کرم کی وہ بارشیں ہیں۔ جو ہندو مسلم احمدی۔ غیر احمدی سب پر یکساں ہوتی ہیں۔ اور پھر ان کی کبھی کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوتی۔

ابھی پرسوں کی بات ہے۔ کہ حضور کے عمال گھر گھر دروازہ کھٹکھٹا کر گندم کی ضرورت کے لئے دریافت کر رہے تھے۔ اور یہ اس وقت کی بات ہے۔ جب بازار میں دس روپے من بھی گندم دستیاب نہیں ہو رہی تھی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے۔ کہ وہ ہمارے ایسے سید و مولیٰ کے وجود کو جو اس قدر نافع الناس ہے۔ تمام فضلوں اور برکتوں کے ساتھ لمبی عمر عطا فرمائے۔ آمین۔

خلافتِ ثانیہ کی عظیم الشّان کامیابی

اور

منکرینِ خلافت کی ناکامیوں کا مختصر خاکہ

اسلامی تاریخ کے سچے واقعات کو مٹانا انسانی بس کی بات نہیں۔ اسلام کے دورِ اول میں جب نبیوں کے سردار رسولوں کے فخر اولین و آخرین کے لئے باعثِ رحمت وجود صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ والوں کو داغِ مفارقت دے کر اپنے خالق و مالک ربّ السّموٰت والارض سے جا ملے۔ تو نادانوں نے سمجھا کہ اب اسلام کی خیر نہیں۔ اس مقدس رسولؐ کی وفات کیا تھی؟ مومنین کے لئے کوہِ الم کا گرنا۔ ایسے آڑے وقت میں کشتیٔ اسلام کو ساحلِ امن پر لانے کے لئے عزیز و حکیم خدا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کھڑا کیا۔ تا وہ اسلامیوں کے شیرازہ کو بکھرنے نہ دیں۔ خلیفۃ الرسول نے کمالِ دانش سے توجہ مسلم کی راہنمائی فرمائی۔ اور دشمنانِ حق و صداقت کے بد ارادوں کو خاک میں ملا دیا۔ چونکہ انسانی زندگی کے لئے ہمیشگی نہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کل من علیہا فان کے مطابق اپنا کام سرانجام دے کر اس جہانِ چند روزہ سے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی وفات کے بعد علی الترتیب حضرت عمر۔ حضرت عثمان اور حضرت علی رضوان اللہ اجمعین کو خداوند قدوس نے منصبِ خلافت عطا فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا زمانۂ خلافت تو نہایت امن و امان سے گزرا۔ لیکن موخر الذکر خلفاء کے زمانوں میں باغیانِ خلافت نے وہ طوفانِ بے تمیزی برپا کیا۔ کہ الاماں الحفیظ۔[1]

آخر خدا خدا کر کے اسلام کی ناؤ بھنور سے نکلی۔ اور اسلام نے دنیا کے عالم پر وہ وہ احسان کئے۔ کہ زبان و قلم میں طاقت نہیں۔ کہ انہیں بیان کر سکے۔ الغرض تھوڑے ہی عرصہ میں نیرِ اسلام کی ضیا پاشیوں سے تاریک عالم بقعۂ نور بن گیا۔ اور ہر چہار اطراف میں توحید ہی کا ڈنکا بجنے لگا۔

اللہ اللہ اسلام کا ماضی کیسا شاندار تھا۔ اپنے اور بیگانے سب اس کے معترف تھے۔ مسلم جدھر جاتا۔ بڑی بڑی طاقتیں اس کے مقابل لرزتی دکھائی دیتیں۔ پیارے اللہ کی عون و نصرت اس کے شاملِ حال تھی۔ فتح و کامرانی اس کے پاؤں چومتی تھی۔ مگر آہ! جونہی اس نے اللہ کی یاد بھلائی۔ آسمانِ بلندی نے اسے دے مارا۔ یہ ذلت و پستی کے عمیق گڑھے میں گر گیا۔ اسلام نے تو اسے بامِ رفعت تک پہنچایا تھا۔ لیکن اس نے دنیا کو مقدم کیا۔ اور اسلام کو مؤخر رکھا۔ تب غیور خدا کی غیرت جوش میں آئی۔ اور اس نے اس سے ہر قسم کی عزتیں چھین لیں۔ اور دنیا والوں کی نگاہ میں اسے ذلیل ترین قوم بنا دیا۔

مدتوں کے بعد رحیم و کریم خدا نے پھر قومِ مسلم کی طرف نظرِ کرم کی۔ اور مخبرِ صادق صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیشگوئیوں کے مطابق مسیح موعودؑ کو مبعوث فرما کر از سرِ نو اسلام کے لئے اس کی محبت نے جوش مارا۔ خدا کا مامور و مرسل اللہ کا نام لے کر اٹھا۔ اور اس نے امتِ محمدیہ کو دعوتِ عمل دی۔ اور فرمایا کہ۔

"اے مردانِ دین کوشش کرو کہ یہ کوشش کا وقت ہے۔ اپنے دلوں کو دین کی ہمدردی کے لئے جوش میں لاؤ۔ اور تم خدا تعالیٰ کو کسی اور عمل سے ایسا راضی نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ دین کی ہمدردی سے سو جاگو اور اٹھو! اور ہوشیار ہو جاؤ اور دین کی ہمدردی کے لئے وہ قدم اٹھاؤ۔ کہ فرشتے بھی آسمان پر جزاکم اللہ کہیں"۔ (آئینہ کمالاتِ اسلام)

اسلام کا درد رکھنے والوں نے جب اس مقدس آواز کو سنا تو عش عش کر اٹھے۔ اور مسیح موعودؑ نے جس سلسلہ روحانیہ کی بنیاد رکھی تھی۔ اس کی سلک میں ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں منسلک ہو گئے۔ گویا اسلام کا دورِ اول دورِ ثانیہ میں عود کر آیا۔ چونکہ مسیح موعودؑ تو صداقت کا صرف تخم بونے آئے تھے نہ کہ اسے منزلِ مقصود تک پہنچانے۔ لہٰذا یدِ قدرت نے آپ کو جلد ہی اس جہانِ فانی سے اٹھا لیا۔

مسیحِ موعودؑ کی وفات حسرت آیات کے بعد اندرونی اور بیرونی معاندوں نے سمجھا۔ کہ شاید یہ سلسلہ جس کی بنیاد خدا کے برگزیدہ مامور نے رکھی تھی۔ اب جلد ہی نیست و نابود ہو جائیگا۔ مگر وہ خدا جو صداقت کا حامی و ناصر خدا ہے۔ کیسے دشمنوں کی خواہشوں کو پورا ہونے دیتا تھا اس نے تو امتِ مسلمہ کو ان مقدس الفاظ میں اپنے صحیفۂ پاک قرآن مجید میں بشارت دے رکھی تھی۔ کہ وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم۔ (سورۂ نور) اس نے اپنے اس وعدہ کے مطابق حضرت مولوی نور الدین رضی اللہ عنہ کو خلافت احمدیہ کے لئے منتخب فرمایا۔ حاسد اپنے حسد میں اندر ہی اندر جل اٹھے۔ مجال کہ آپ کے عہدِ خلافت میں باغیانِ خلافت کا گروہ علمِ بغاوت بلند کرتا۔ جب کبھی بھی کسی متکبر نے سر نکالا۔ اسی وقت اس مردِ مجاہد کی گرج سے اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ غرض حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت کامیابی کے ساتھ اپنے عہدِ سعادت کو سرانجام دیا اور چل دیئے۔

آپ کے بعد من مانی کارروائیاں چاہنے والے لوگ میدانِ عمل میں نکل آئے۔ اور یوں گویا ہوئے۔ کہ دیکھو جی اب سرداری کا تاج ہمارے سر ہو گا۔ بھلا یہ بھی کوئی عقلمندی ہے۔ کہ اس اہم جانشینی کے لئے کسی "بچہ" کو منتخب کیا جائے۔ مگر خدا گنجے کو ناخن نہ دے۔ اللہ تعالےٰ کی نظرِ انتخاب اسی پر پڑی۔ جسے یہ "بچہ" کہہ کر پکارتے تھے۔ کیونکہ یہی "بچہ" اسی فتنہ کی سرکوبی کے لئے موزوں تھا۔

سیدنا حضرت محمود ایدہ الودود کا مقدس وجود تو وہ تھا جس کی خبر مسیحائے زماں دے گئے تھے۔ جس کی انتظار میں اللہ والوں کی نگاہیں آسمان قدس کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ جس نے آفتابِ قدنی سے منور ہو کر آسمانِ احمدیت پر چمکنا تھا۔ جس کی آمد سے تاریکیاں کافور اور دہر بے نور۔ پرنور بننا تھا۔ جس نے یوم الفرقان قائم کر کے "کچوں" اور "پکوں" "مومنوں" اور "منافقوں" کے درمیان ایک بیّن فرق کر دکھلانا تھا۔ جس کی دید عید کے چاند کی مانند تھی۔ جسے آسمانی نوشتوں میں "رحمت کا نشان" اور "جلال الٰہی کا ظہور" قرار دیا گیا تھا ایسا مقدس وجود بصد عز و شان ۱۴ر مارچ ۱۹۱۴ء کو تختِ خلافت پر رونق افروز ہو گیا۔ تب مومنوں نے خوشی کا نعرہ بلند کیا۔ اور مغرور متکبر اور بڑائی کے طالب بوریا بستر اٹھا اور یہ کہتے ہوئے جانب لاہور چل دیئے۔ کہ ؎ بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے۔

سچ سچ خدا اپنے وعدوں کا سچا ہے۔ اس نے جو باتیں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قبل از وقت کہی تھیں۔ وہ وقت پر سب پوری ہوئیں۔ اور ہوں گی۔ اس عالم الغیب ہستی نے اپنے برگزیدہ مسیح موعودؑ کو بتلایا تھا کہ

"جیسے روشنی میں سیاہ دل چور نہیں ٹھیر سکتا۔ ایسے ہی اس مقام (قادیان۔ ناقل) میں جو تجلیات اور انوارِ الٰہی کا مرکز ہے کوئی سیاہ دل خائن بہت دیر تک نہیں ٹھہر سکتا"۔ (بدر ۲۵ر اپریل ۱۹۰۷ء)

خلافتِ ثانیہ کے قیام کو آج اٹھائیس برس سے اوپر عرصہ گزر رہا ہے۔ اس طویل عرصہ میں منکرینِ خلافت اہلِ پیغام کی طرف سے جو کچھ خلافتِ صادقہ کے خلاف زہر اگلا گیا۔ اور اسے نیچا دکھانے کے لئے جو کوششیں عمل میں لائی گئیں۔ وہ محتاجِ بیان نہیں۔ مگر واقعات پر سرسری نظر ڈالنے سے ہر شخص اس نتیجہ تک پہنچ سکتا ہے کہ ہر آنے والا دن سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی فتح و کامرانی کا پیغام لایا۔ اور حاسدانِ خلافت کی ناکامی کا آئینہ دار بنا۔

خدارا ہمارے پیغامی دوست ہی بتائیں۔ کہ کیا انہیں پیہم اور مسلسل ناکامیوں کا منہ دیکھنا نہیں پڑا؟ (۱) کیا نبوتِ مسیح موعودؑ کو تسلیم کرنے والوں کی کثرت نہیں؟ (۲) کیا جماعت احمدیہ قادیان کا علمی سکہ دشمن تسلیم نہیں کر چکا؟ (۳) کیا مرکزِ احمدیت کی شان و عظمت پہلے سے کہیں زیادہ نہیں؟ (۴) کیا اطاعت خلافت میں جماعت مبایعین نے بے نظیر نمونہ نہیں دکھایا؟ جسکے پیشِ نظر آپ اسے "پیر پرستی" کا طعنہ دیتے ہیں۔ (۵) کیا ان لوگوں کی خاطر آپ نے قادیان جیسی پر انوار بستی کو چھوڑا تھا۔ ان کے ہاں آپ "منافق" لفظ سے یاد نہیں کئے جاتے؟ (۶) کیا پیغام پارٹی قلوبہم شتّٰی کی مصداق نہیں بنی ہوئی؟ (۷) کیا مبایعین کی مالی قربانیاں جماعت پیغامیہ سے زیادہ نہیں ہیں؟ (۸) کیا یہ حقیقت نہیں کہ آج تک آپ کی جماعت نے ایک بھی ایسا مجاہد پیدا نہیں کیا۔ جو اپنے خرچ پر ممالک غیر میں تبلیغِ اسلام سرانجام دیتا؟ (۹) کیا آپ اس سے انکار کر سکتے ہیں کہ جب سے تحریکِ جدید کا آغاز ہوا۔ اس وقت سے آج تک بیسیوں مولوی فاضل اور گریجوایٹ نوجوانوں نے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی کے ...

جماعت پیغامیہ کی نسبت بڑھ چڑھ کر سرانجام دے رہی ہے۔ تو پھر انصافاً بتلایئے۔ کہ کس منہ سے آپکے امیر جناب مولوی محمد علی صاحب اور ان کے دیگر رفقائے عظام اپنی کامیابی کا راگ الاپا کرتے ہیں۔ اگر کامیابی اسی کو کہتے ہیں۔ تو پھر للہ فرمایئے۔ ناکامی کس چیز کا نام ہے؟ امید ہے ہمارے بچھڑے ہوئے بھائی ان حقائق پر صدقِ دل سے غور کریں گے اور حقیقتِ حال سے آگاہ ہو کر ارشادِ خداوندی کونوا مع الصادقین کے مطابق وابستگانِ خلافت میں شامل ہو جائیں گے۔

[1] حاشیہ:۔ مفصل حالات ناظرین "اسلام میں اختلافات کا آغاز" لیکچر سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ الودود میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ (مہاہر)

(خواجہ خورشید احمد مجاہد مسیحہ گجرات)

وصیتیں

نوٹ :۔ وصایا منظوری سے قبل اس لئے شائع کی جاتی ہیں۔ تاکہ اگر کسی کو کوئی اعتراض ہو۔ تو دفتر کو اطلاع کر دے۔ (سیکرٹری بہشتی مقبرہ)

ع ۶۳۶۴۔ منکہ قادر بخش ولد اللہ دتہ قوم شیخ پیشہ تجارت عمر ۷۰ سال تاریخ بیعت بوقت حضرت مسیح موعود ساکن بھینی بانگر ڈاکخانہ قادیان بقائمی ہوش و حواس بلاجبر و اکراہ آج بتاریخ ۹ ۲/ھش حسب ذیل وصیت کرتا ہوں :۔

میری جائیداد اس وقت کوئی نہیں ہے۔ ماہوار آمد قریباً -/۳ روپے ہے۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان ضلع گورداسپور کرتا رہونگا۔ نیز اگر میرے مرنے کے بعد کوئی جائیداد ثابت ہو۔ تو اس کے بھی دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔

العبد :۔ نشان انگوٹھا قادر بخش موصی۔ گواہ شد بشیر احمد سیالکوٹی مولوی فاضل دار الرحمت قادیان۔ گواہ شد محمد الدین ساکن بھینی بانگر۔

ع ۶۳۷۲۔ منکہ محمد افضل خاں ولد چوہدری انور خاں صاحب قوم راجپوت بھٹی پیشہ گورنمنٹ ملازمت عمر ۲۰ سال پیدائشی احمدی ساکن چھپاری ضلع امرتسر بقائمی ہوش و حواس بلاجبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۸ ۱۱/ھش حسب ذیل وصیت کرتا ہوں :۔

میری آمدنی اس وقت -/-/۲۵ روپے ماہوار ہے۔ جس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اگر اس کے بعد کوئی اور جائیداد پیدا کروں۔ یا مزید آمدنی ہوئی۔ تو اسکی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتا رہوں گا۔ اور اس جائیداد پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ یہ بھی وصیت کرتا ہوں۔ کہ میری جو جائیداد بوقت وفات ثابت ہو۔ اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اور اگر میں کوئی روپیہ ایسی جائیداد کی قیمت کے طور پر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کی مد میں کروں۔ تو اسی قدر روپیہ اسکی قیمت سے منہا کر دیا جائیگا۔

العبد :۔ محمد افضل خاں آفیسر کیڈٹ ۲۱۳ کمپنی ع 1-B آفیسرز ٹریننگ سکول بنگلور۔ گواہ شد سید محمود احمد شاہ بنگلور۔

ع ۶۳۷۳۔ منکہ محمد شریف ولد پیر محمد صاحب قوم مانگر پیشہ ملازمت عمر ۲۰ سال پیدائشی احمدی ساکن مانگٹ اونچے حال قادیان بقائمی ہوش و حواس بلاجبر و اکراہ آج بتاریخ ۸ ۱۲/ھش حسب ذیل وصیت کرتا ہوں :۔

میری اس وقت کوئی جائیداد منقولہ و غیر منقولہ نہیں ہے۔ کیونکہ میرے والد صاحب خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے زندہ ہیں۔ البتہ میرا گذارہ ماہوار تنخواہ پر ہے۔ جو کہ مبلغ -/-/۱۵ روپے ہے۔ میں اس کے ۱/۱۰ حصہ کی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتا ہوں۔ اور یہ اقرار کرتا ہوں۔ کہ حصہ وصیت ماہ بماہ ادا کرتا رہوں گا۔ اور تنخواہ کی کمی و بیشی کی اطلاع دفتر مقبرہ بہشتی میں دیتا رہوں گا۔ نیز میرے مرنے کے بعد اگر میری کوئی جائیداد منقولہ و غیر منقولہ ثابت ہو جائے۔ تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی صدر انجمن احمدیہ قادیان مالک ہوگی۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔ العبد محمد شریف مولوی فاضل محرر جنگی قادیان

گواہ شد شیر علی عفی عنہ بقلم خود۔ گواہ شد زین العابدین۔

ع ۶۳۷۹۔ منکہ حافظ عبد العلی ولد حضرت مولوی نظام الدین صاحب مرحوم قوم جٹ رانجھا پیشہ زمینداری عمر ۷۱ سال تاریخ بیعت مئی ۱۸۹۳ء ساکن سرگودھا بقائمی ہوش و حواس بلاجبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۱ ۲/ھش حسب ذیل وصیت کرتا ہوں :۔ میری جائیداد مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) ایک مکان ۵۰ × ۵۰ فٹ حلقہ بلاک ع ۹ سرگودھا جس میں تین کمرے اور ایک ڈیوڑھی ہے۔ بمع ایک چبوترہ ۸۰ × ۵ فٹ (۲) دوسرا مکان ۲۵ × ۵۰ فٹ حلقہ بلاک ع ۹ سرگودھا جس میں چار کمرے اور ایک برآمدہ ہے (۳) تیسرا مکان ۲۵ × ۹۰ فٹ بلاک ع ۹ سرگودھا جس میں چار کمرے اور دو برآمدے بمع صحن ہیں اور نیز ایک چبوترہ ۸۰ × ۹۰ فٹ ہے۔ کل رقبہ ہر سہ مکانات ۷۱۲۰ مربع فٹ یا ۲۶ مرلے ۸۰ مربع فٹ ہے۔ جس کی قیمت مطابق نرخ حال بحساب ۵۰۰ روپیہ فی مرلہ معہ زمین بمعہ ملبہ مبلغ ۱۳۰۸۸ روپے ہے۔ اس کے علاوہ میری مقبوضہ و مملوکہ و مزروعہ و غیر مزروعہ اراضی واقع موضع چادہ تحصیل بھلوال جس کا مجموعی رقبہ قریباً -/۸۷ کنال ہے۔ اور ان کی قیمت مطابق نرخ حال بحساب ۷۵ روپے فی بیگھہ مبلغ -/۱۶۳۱ روپے ہے۔ علاوہ ازیں ۲ ۱/۲ کنال کے قریب اراضی زرعی واقع بھلوال سکنہ ہے۔ جس کی قیمت مطابق نرخ حال بحساب -/۲۲ روپے فی کنال اندازاً -/۵۵ روپے ہے۔ پس کل قیمت جائیداد اندازاً مبلغ -/۱۴۷۷۴ روپے ہے۔ جس کے ۱/۱۰ حصہ یعنی مبلغ -/۱۴۷۰ روپے کی میں وصیت کرتا ہوں۔ میرے مرنے کے وقت جسقدر میری جائیداد ہو۔ اس کے دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائیداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں بمد وصیت داخل یا حوالہ کر کے رسید حاصل کر لوں۔ تو ایسی رقم یا ایسی جائیداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کر دی جائے گی۔

العبد راقم حافظ عبد العلی موصی بقلم خود۔ گواہ شد عبد المالک ولد حافظ عبد العلی صاحب۔ گواہ شد فضل احمد اے۔ ڈی۔ آئی مدارس سرگودھا۔

مکرر آنکہ اب میں پریکٹس وکالت چھوڑ چکا ہوں۔ میری ماہوار آمد صرف میرے مکانات کا کرایہ ہے۔ جو موجود الوقت -/۱۲۰ روپے ماہوار ہے۔ اس میں سے مفصلہ ذیل وضعات ضروری ہیں۔ معاملہ نہ زمین قریباً -/-/۶ روپے سالانہ۔ ہوس ٹیکس قریباً -/-/۲۵ روپے سالانہ۔ پراپرٹی ٹیکس قریباً -/۲۹ روپے سالانہ کل -/۶۰ روپے یعنی پانچ روپے ماہوار۔ پس اصل ماہوار آمد کم و بیش -/۱۱۵ روپے ہے۔ جس کے دسویں حصہ کی بھی وصیت کرتا ہوں۔ ۱/۸/۱۱ ماہوار انشاء اللہ دیتا رہوں گا۔ ہاں جس ماہ خدا نخواستہ آمد کرایہ نہ ہوگی۔ اس ماہ میرے ذمہ کچھ نہ ہوگا۔ حافظ عبد العلی موصی۔ گواہ شد عبد المالک ولد حافظ عبد العلی۔ گواہ شد فضل احمد امیر جماعت احمدیہ۔

ع ۶۳۸۵۔ منکہ امۃ الحفیظ بیگم بنت محمد عثمان صاحب زوجہ عبد الغنی گجراتی آئرن مرچنٹ قوم تھیم عمر ۱۹ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان دار البرکات بقائمی ہوش و حواس بلاجبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۲ ۱۲/ھش حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔

میری جائیداد غیر منقولہ از قسم زرعی و سکنی کوئی نہیں۔ اور نہ ہی ماہوار آمد ہے۔ میری منقولہ جائیداد مندرجہ ذیل ہے :۔ پازیب نقرئی ۳۲ تولہ۔ جھمر ۱/۲ ۱ تولہ کانٹے ۱/۲ ۱ تولہ کڑے ۳ ماشہ طلائی قیمتی اندازاً اڑھائی سو روپیہ ہے۔ اس کے علاوہ -/۵۰۰ روپے حق مہر بذمہ میرے خاوند کے ہے۔ یعنی کل جائیداد -/۷۵۰ روپے ہے۔ میں اس کے ۱/۱۰ حصہ کی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتی ہوں۔ اگر اس جائیداد کے ۱/۱۰ حصہ کی قیمت اپنی زندگی میں ادا کر کے رسید حاصل کر لوں۔ تو صدر انجمن احمدیہ قادیان کو میری اس جائیداد سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ ہاں اگر اس جائیداد کے علاوہ میری کوئی اور جائیداد میری وفات کے بعد ثابت ہو۔ تو اس میں سے بھی ۱/۱۰ حصہ صدر انجمن احمدیہ کو وصول کرنے کا اختیار ہوگا۔ میری یہ وصیت میری آخری وصیت ہے۔ ہر طرح صحیح اور قائم رہے گی۔ خواہ میری نعش بہشتی مقبرہ میں دفن ہو سکے یا نہ ہو سکے۔ میں اور میرے ورثاء اس وصیت کے پابند ہوں گے۔

الامۃ :۔ امۃ الحفیظ بیگم بقلم خود۔ گواہ شد محمد عثمان والد موصیہ۔ گواہ شد عبد الغنی خاوند موصیہ۔

ع ۶۳۸۶۔ منکہ امۃ الکریم بیگم زوجہ فضل حق صاحب گجراتی آئرن مرچنٹ قوم تھیم عمر ۲۳ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان محلہ دار البرکات بقائمی ہوش و حواس بلاجبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۲ ۱۲/ھش حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔

میری جائیداد منقولہ از قسم زرعی و سکنی وغیرہ اس وقت کچھ نہیں۔ اور میری ماہوار آمد بھی کوئی نہیں۔ میری منقولہ جائیداد حسب ذیل ہے۔ جو مجھے میرے والدین سے ملی ہے۔ پازیب نقرئی ۳۲ تولہ جھمر ۱/۲ ۱ تولہ۔ ٹکہ ۱/۲ تولہ۔ کانٹے ۱/۲ ۱ تولہ۔ چھاپ طلائی ۳ ماشہ قیمتی اندازاً اڑھائی سو روپیہ ہے۔ اس کے علاوہ -/۵۰۰ روپے حق مہر جو میرے خاوند کے ذمہ ہے۔ یعنی کل جائیداد ساڑھے سات سو روپیہ ہے۔ میں اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اگر اس مذکورہ بالا جائیداد کے ۱/۱۰ حصہ کی قیمت اپنی زندگی میں ادا کر کے رسید حاصل کر لوں۔ تو صدر انجمن احمدیہ قادیان کو میری اس جائیداد سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ ہاں اگر اس جائیداد کے علاوہ میری اور کوئی جائیداد میری وفات کے بعد ثابت ہو۔ تو اس میں سے بھی ۱/۱۰ حصہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کو وصول کرنے کا اختیار ہوگا۔ میری یہ وصیت جو میری آخری وصیت ہے۔ ہر طرح صحیح اور قائم رہے گی۔ خواہ میری نعش بہشتی مقبرہ میں دفن ہو سکے یا نہ ہو سکے۔ میں اور میرے ورثاء اس وصیت کے پابند ہوں گے۔

الامۃ :۔ امۃ الکریم بیگم بقلم خود۔ گواہ شد محمد عثمان والد موصیہ ڈیرہ غازیخان حال قادیان۔ گواہ شد فضل حق خاوند موصیہ بقلم خود۔

ع ۶۳۴۳۔ منکہ اللہ رکھا ولد چوہدری دین محمد صاحب قوم ملی جٹ پیشہ ملازمت عمر ۳۳ سال تاریخ بیعت خلافت ثانیہ ساکن نارووال ڈاکخانہ خاص ضلع سیالکوٹ بقائمی ہوش و حواس بلاجبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۸ ۱۲/ھش حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد کوئی نہیں۔ میری ماہوار آمد اس وقت بائیس روپے تنخواہ ہے۔ اور سات روپے قحط الاؤنس ملتا ہے۔ میں اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ نیز میرے مرنے پر اگر کوئی اور جائیداد ثابت ہو۔ تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد : اللہ رکھا ملی احمدی نارووال حال بنگلہ سکھیا نوالہ شہر اپر چناب ضلع شیخوپورہ۔ گواہ شد عزیز اللہ نارووال